

مذکرہ علمیہ

ایمان بالغیب اور مذہب تجدید جریدہ نگار کا تبصرہ اور اس پر ایک نظر

ماہ جون کے شمارے میں حضرت نیاز فتحپوری نے ترجمان القرآن پر ایک مفصل تبصرہ فرمایا ہے جس کے لئے میں ان کا شکریہ ادا کرتا ہوں، اگرچہ عموماً رسائل و جرائد کے انتقادات پر بحث کرنے اور ان پر جوابی نقد کرنا چاہئے، لیکن چونکہ ناقصانہ مسائل نے اپنے تبصروں میں بعض ایسے خیالات کا اظہار کیا ہے جو ان کے مذہب تجدید کے اصول و مبنائی سے متفق رکھتے ہیں اور جن کی اصلاح کرنا ترجمان القرآن کے اولین مقاصد میں سے ہے اس لئے اس ضروری سمجھتا ہوں کہ ان پر اظہار خیال کے پہلے موقع سے فائدہ اٹھاؤں۔

سچیا رستہ تبصرہ | وہ لکھتے ہیں :-

اس رسالہ کا مقصود اس کے نام سے ظاہر ہے یعنی مطالب قرآنی اور تعلیمات فرقانی کو ان کی صحیح روشنی میں لوگوں کے سامنے پیش کرنا یقیناً اس مقصود کی انانیت کو کسی کو انکار نہیں ہو سکتا لیکن جیسا کہ خود فاضل ایڈیٹر نے ظاہر کیا ہے عہد حاضر میں اس مدعا کی تکمیل آسان نہیں ہے عہد ماضی میں جب مذہب نام صرف اسلاف کی وراثت پر ہی قائم رہتا تھا کسی شخص کا مبلغ یا ملح بن جانا دشوار نہ تھا لیکن اب جبکہ علوم جدیدہ اور کشفیات حاضرہ ذمہ عمل خیال کی کھلی نئی لہجہ والی کڑھیت فکر ضمیر کی دولت دماغی آلائشیں

مذہب صرف اس دلیل کی بنیاد پر زندہ نہیں رہ سکتا کہ اس کے اسلاف کا طرز عمل بھی
یہی تھا۔ اور وہ بھی وہی سوچتے تھے جو اب بتایا جاتا ہے۔

پہلے اگر خدا کی وحدانیت سے بحث کی جاتی تھی تو اب سرے سے خدا کا وجود ہی
نظر بتایا جاتا ہے اگر پہلے ایک دلیل کی ہدایت اس کے وجود سے ثابت کی جاتی تھی تو اب
علوم منضاطیہ انہی مجرّدوں کی دلیل پر ہزاروں رسول و نبی پیدا کرنے کے لئے آمادہ
ہیں پہلے ایک داعط آسمان کی طرف دیکھ کر عرش کر سی و اے خدا کو پکار سکتا تھا،
لیکن آج جب کہ آسمان ہی کوئی چیز نہیں رہا، ان کا ایسا کن کسی طرح مفید نہیں
ہو سکتا الغرض اب زمانہ یونون بالغیب کا نہیں رہا بلکہ یونون بالتجربہ و اشہو
کا ہے اور ایسے ناک وقت میں کسی شخص کا مذہب کی حمایت کے لئے کھڑا ہو جانا آسان
کا نہیں، جب کہ وہ نفس مذہبیت کا خیال بھی اپنی جگہ چندان قابل قبول نہیں
آگے چل کر وہ فرماتے ہیں:-

قرآن پاک اپنے معنی کے لحاظ سے تین حصوں پر منقسم ہے ایک وہ جس میں اخلاق کی تعلیم
دی گئی ہے۔ دوسرے وہ جس میں عقائد پیش کئے گئے ہیں اور تیسرے وہ جو قصص و شہادت
مشتمل ہے جسے اول کے تعلق سے زیادہ لکھنے کی ضرورت ہے اور نہ کسی دلیل و برہان
کے لانے کی کیوں کہ تسلیم اخلاق تمام مذاہب کی تقریباً یحسان ہے اور ہر شخص
یہ ماننے پر مجبور ہے کہ مذہب اسلام کی تعلیم دوسرے مذاہب کی تعلیم سے مختلف یا خود تری
ہے البتہ حصہ دوم پر زیادہ توجہ کرنا چاہئے، کیونکہ علوم جدیدہ اور اکتشافات
حالیہ نے انہی دو حصوں کی طرف سے ریب و تذبذب کی کیفیت کو گونگے دلوں
میں پیدا کر دی ہے اور واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان شہادت کے دور کو دیکھے

کا میاب ہو جائے تو وہ اس صدی کا مجدد کہلائے جانے کا مستحق ہوگا۔

اس لئے میں مشورہ دوں گا کہ ایک متعلّق باب اس موضوع پر قیام کر کے تمام ان آیات قرآنی کا استقصا کرنا چاہئے جو عقائد غویس کے متعلق ہیں اور ان کا صحیح مفہوم و معنی کر کے ان اعتراضات کو نایز کرنا چاہئے جو اس وقت اہل علم و تحقیق کی طرف سے وارد کئے جاتے ہیں۔

آخر میں وہ لکھتے ہیں کہ۔۔۔

آئندہ کے لئے میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ سب سے پہلے وحی و الہام کی حقیقت کو گھنگو کریں کہ اسی کے پھیننے پر کلام اللہ کی حقیقت کا بھنسا منحصر ہے اور پھر اس کے بعد اس کے اس کے حل ہونے پر انحصار نہ ہو بلکہ الہامیت و لائے بہیت کا ہی ہے دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کلام الہی اور معاد کا کیا مفہوم متعین کرتے ہیں اس کے بعد میں اپنے بہت سے اعتراضات پیش کروں گا اور اگر ان کی کوشش سے وہ دور ہو گئے تو مجھے بڑی مسرت ہوگی کیونکہ ”ناچا سلمان شو“ کی جس لعنت میں بہت لوگ گرفتار ہیں اس کا ایک سبب عقیدہ معاد بھی ہے۔“

حاصل | فاضل بقصر نے جن فرعی و جزئی مسائل کی طرف اشارت کی ہے ان کو چھوڑ کر میں صرف ان امور سے بحث کرنا چاہتا ہوں جن کا تعلق اصول سے ہے انہوں نے قرآن مجید کے مباحث کی تقسیم میں حصول پر کی ہے لیکن ہم پرانی ان کو صرف دو حصول تقسیم کر سکتے ہیں ایک وہ حصہ جن کا تعلق ان امور سے ہے جو ہمارے علم کی حدود سے باہر ہے اور ایک کی سرحد سے ماوراء ہے جن کے متعلق تعلیمیت کے ساتھ صحیح یا غلط ہونے کا کوئی حکم عقلی نہیں لگا سکتے اور جن میں قرآن ہم کو ایمان یا نسیب لانے کی دعوت دیتا ہے اور دوسرے امور جو ہمارے دائرہ علم سے باہر نہیں ہیں اور جن میں تعلیمیت کے ساتھ کوئی حکم عقلی لگانا ہمارے لئے ممکن ہے پہلے حصہ میں وجود و صفات الہی، فرشتے وحی و کتب سماوی حقیقت فرشتہ

معبود برحق

(مولوی ابوالعطا امجد دہلی)

دنیا جس کے ارادے سے پیدا ہوئی ہے اس کا ذکر فطرت میں منقوش ہے ہر شئی اپنے موجد اور خالق و مالک کی حمد و ثنا کرتی ہے قرآن کریم نے اس راہ کو ان خوبصورت الفاظ میں پیش کیا ہے۔ تَسْبِيحُ لَهُ الشَّمْسُ وَالسَّبَّحُ وَالْأَرْضُ وَمَنْ فِيهِنَّ ط وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا يَسْبِيحُ بِحَمْدِهِ وَاللَّهُ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيحَهُمْ ط سوزہ بنی اسرائیل رکوع ۵ جس کا مطلب یہ ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین جو کچھ ان میں ہے اس کی توصیف و ثنا کرتے ہیں اور کوئی بھی شئی ایسی نہیں جو اپنی صورت و سیرت اور زبان حال و حال ہی میں واحد لا شریک اللہ کی تسبیح و تقدیس اور حمد و ثنا نہ کرے ہو اگرچہ ان میں سے کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

یہ ہے وہ امر جو فطرت میں منقوش ہے اور قرآن کریم کی خوبی کا یہ ایک ادنیٰ کرشمہ ہے۔

قرآن کریم نے معبود برحق خالق کل کا جو نام پیش کیا ہے وہ بجائے خود اپنے اندر اس امر کا مفہوم رکھتا ہے جو معبود برحق کیلئے ضروری ہے۔ علامہ رازی نے اپنی بے نظیر تفسیر کبیر کی جلد اول میں اس راہ کو جس خوبی سے بیان فرمایا ہے اس کو کبیر یہاں پر بیان کر دینا قاعدہ سے خالی نہیں۔

تمام عرب اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام نے جو نام اللہ تعالیٰ کا پیش کیا ہے وہ کبھی اور کسی حالت میں اس نام کے لئے مستحضر نہیں کیا گیا یعنی اسم "اللہ" ۳۶ باتوں کی پرستش کے جنون کے باوجود عربوں میں یہ نام بھی ذات واحد کے لئے مخصوص تھا۔ اگرچہ بتوں کی عبادت اور شوق پرستش نے اس کی جانب سے بے پرواہی کی وبا کے عام کو پھیلا دیا تھا۔

علامہ مؤصوف لکھتے ہیں کہ اللہ ص ۱۱ "اللہ" "الف۔ لام۔ تعریف خاص کا ہے

حریت فکر و ضمیر کی دولت سے و ماغوں کو ایسا مال کیا تھا کہ ان کے روشن زمانہ میں ”یومنون بانسب“ کی
گنجائش ہی نہ تھی کیا بالکل یہی حالت دوسری صدی ہجری سے چوتھی صدی تک نہیں گزری ہے؟ اعلیٰ طوں ارسلوا
ایکویس زینو، تریس، اسکندر افروسی، فروریوس، فلڈالینوس اور دوسرے علمائے فلسفہ و حکمت کے خیالات جب اسلامی
مالک میں شائع ہوئے تھے اور ان کی بدولت فلسفیانہ تفکر اور عقلی اجتہاد کا ایک نیا دور شروع ہوا تھا، تو کیا اس وقت
ایک گروہ نے بالکل ہی نہ سمجھا تھا جواب ایک گروہ سمجھ رہا ہے؟ کیا اس زمانہ کی حریت فکر و ضمیر اور عمل و خیال کی نئی
طرح نے اسی طرح لوگوں کو مذہبی معتقدات کی طرف سے یہ وشک میں نہ ڈال دیا تھا؟ مگر پھر کیا ہوا؟ فلاسفہ کے وہ بہت سے
نظری و قیاسی مسائل جن پر اس وقت کے لوگ ایمان لے آئے تھے، بعد میں غلط ثابت ہوئے وہ آفتاب علم جس کے سامنے
ان لوگوں کو مذہب کی شمع ٹمٹماتی نظر آ رہی تھی زمانہ کی ایک ہی گردش میں بے نور ہو کر رہ گیا، ان کے علوم جدید
فرسودہ ہو گئے، ان کے اکتشافات میں عمل و خیال کی نئی طرحیں ڈالنے کی قوت باقی نہ رہی اور جو طرحیں انہوں نے دلی
معتیں وہ سب پرانی ہوئیں حتیٰ کہ اپنے زمانہ کے اکتشافات پر کمال یقین و اذعان رکھتے ہوئے انہوں نے جو عقلی استدالات
کئے تھے اور ان پر جن مذاہب حکمت کی بنیاد رکھی تھی ان میں سے اکثر کو آج ایک معمولی طالب علم بھی انہوئل قرار دیتا ہے، مال نہیں کرتا
اب اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ گذشتہ زمانہ کی تاریکی میں مذہب کی شمع جل سکتی تھی اگر اب اس روشنی
کے زمانے میں نہیں جل سکتی تو ہمیں بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تاریخ اپنے آپ کو دہرائی ہے، کیونکہ جن چیزوں کو آج
علوم جدیدہ اور اکتشافات حاضرہ کہہ کر ذہنی دعوے کئے جا رہے ہیں جو پہلے کئے گئے تھے، ان کے متعلق بھی ہم کو یقین ہے کہ ان
میں سے بیشتر کا ذہنی حشر ہونا ہی، جو گذشتہ لوگوں کے ”معلوم جدیدہ“ و اکتشافات حاضرہ کا موچکا ہو، اور عمل و خیال کی نئی
طرحیں بھی زمانہ کی گردش کے ساتھ پرانی اور فرسودہ ہو جانے والی ہیں، آپ ان تمام علوم و اکتشافات پر ایک غائر
نظر ڈالئے جو آپکے سرایہ مخزونماز میں، اور خود ان لوگوں سے جو ان علوم و اکتشافات کے اصلی محقق اور مکتشف ہیں
یہ سب تو آپ کو معلوم ہو گا کہ گذشتہ علوم کی طرح ان میں بھی ایسے یقینیات بہت کم ہیں جن کے متعلق اہتمام دیکھا جا سکتا ہو کہ ان کے غلط ثابت ہونے
کوئی امکان نہیں، یہاں حتیٰ جن چیزیں میں سبب غلط قیاسات نظریات اور تیارات اور مذہبات ہیں جن کے متعلق یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے۔

ہے کہ ترقی کی جانب زمانہ کا قدم چہن چہتا آگے بڑھتا جائیگا، یہ علوم جدیدہ اور یہ اکتشافات حاضرہ قدمت کا لباس حاسبینتے جائیں گے اور عمل و خیال کی نئی طرحیں جو ان پانچ ادا علوم و اکتشافات کے بھروسہ پر پڑی ہیں، کچھ دوسری نئی طرحوں کے لئے جگہ خالی کرتی چلی جائیں گی۔

پس جب حال یہ ہو تو ایک ہوشمند اور بالغ النظر آدمی کے لئے محض اس چیز سے مرفوب ہونے کی کوئی توجی نہیں ہو کہ اب ”علوم جدیدہ“ و ”اکتشافات حاضرہ“ نے ”عمل و خیال کی نئی طرحیں ڈال دی ہیں“ اور ”حریت فکر و ضمیر“ کی دولت کے دماغوں کو مال مال کر دیا ہے، لہذا اب نہ مانجانے مذہب کا کیا حشر ہو۔ وہ تو ان علوم و اکتشافات پر ایک حقیقی نظر ڈال کر یہ دیکھے گا کہ ان میں جو چیزیں مذہب سے متصادم ہو رہی ہیں وہ یعنی سبھی میں یا نہیں آگرو فی الواقع یقیناً یہ ہوں اور مذہب کے حقیقی متقدات سے متصادم سبھی ہوں تو بلاشبہ اس کے لئے یہ سوال پیدا ہو جائیگا کہ مذہب پر یوں نے ان حقیقت پر لیکن اگر وہ محض قیاسات و نظریات ہوں۔ یا محض شک اور مذہب میں ڈالنے والی چیزیں ہوں تو وہ ان کے اور مذہب کے تصادم سے بے مرکز نہ گھبرائے گا کیونکہ مذہب کی بنیاد اگر یقین و اذعان پر ہے تو یقین و اذعان کے مقابلہ میں ظن و قیاس اور شک و مذہب کو ہرگز کوئی ترجیح حاصل نہیں ہے۔ اور اگر وہ بھی ظنی و قیاسی چیز ہے تو اسی ظن و قیاس ان عملی نظریات کی بنیاد بھی ہے پھر دونوں میں موجب ترجیح کیا چیز ہے؟

علوم جدیدہ و اکتشافات حاضرہ سے مرعوب ہو کر مذہب کی طرف ایک ترسیم طلب نگاہ ڈالنا تو صرف ان لوگوں کا شیوہ ہے جن کے دل میں خیال گھر کر گیا ہے کہ ہر نئی چیز علم و اکتشاف ہے اور زمانہ کا ساتھ دینے کے لئے اس کو قبول کر لینا یا اس پر ایمان لے آنا ضروری ہے۔ خواہ اس کی حیثیت محض قیاسی و نظری ہی ہو، خواہ اس کو انہوں نے گہری علمی بصیرت کے ساتھ نقد و محقق کی کوئی پر پرکھا بھی نہ ہو۔ ایسے ہی لوگوں میں ”عمل و خیال کی نئی طرحیں“ ڈالنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے، لہذا وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ عمل و خیال کی نئی طرحیں کیونکر پڑتی ہیں اور کونسی صورتوں میں پڑتی ہیں اور کونسی محض ظن و قیاسی اسی طرح حریت فکر و ضمیر کی دولت کو مال مال کرنے والا ہے اور عوام بھی ایسے ہی ظنی و ظنیوں کا طرہ امتیاز بنا ہوئے مگر بغیر معلوم نہیں کہ جو حریت فکر و ضمیر ایک نعمتہ اور ایک غلط ناک حالت ہے، اگر اس کے ساتھ ایک وسیع اور پختہ علم آگے آئے اور

بلکہ نظریات ایک متوازن اور صحیح الفکر و مدغم ہو، اور یہ وہ چیز ہے جس کو عطا کرنے میں قدرت نے اتنی فیاضی سے کام لیا ہے، جس کی آنکھ فرض کر لی گئی ہے۔

ایمان بالغیب | اور سزا نذر یہ جو اسی پہلے نظریہ سے نکلا ہے، یہ ہے کہ اب زمانہ یونوں بالغیب کا نہیں بلکہ یونوں

بالتجربہ و الشہود کا ہے۔ میں بہت غور کرنے کے بعد بھی نہیں سمجھ سکا کہ ان الفاظ سے قائل کا حقیقی مقصود کیا ہے، اگر مقصود یہ ہو کہ اس زمانہ میں کوئی ایسی بات تسلیم نہیں کی جاتی جس پر غیبی الملاق ہو تا ہو، اور جس کا تجربہ یا مشاہدہ نہ کیا گیا ہو۔

تو یہ بالکل غلط ہے ایسا کہنے کا مطلب دوسرے الفاظ میں یہ ہو گا کہ اس زمانہ کے لوگوں نے صرف اسی حد کے اندر محدود رہنا قبول کر لیا ہے جس میں ان کا تجربہ و مشاہدہ ان کے لئے وسیلہ انتساب علم بن سکتا ہے، اور جس میں ان کے حواس کام کرتے

ہیں۔ اور اس دائرے سے باہر تینے امور ہیں ان کے بارے میں فکر کرنا اور قیاس و استقراء سے ان سے متعلق حکم لگانا اس نے چھوڑ دیا ہے، مگر کوئی شخص جس نے علوم جدیدہ و اکتشافات حاضرہ کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے، اس بیان کو تسلیم نہ

کرتا اور بالذات طبیعیات کو سمجھنے کی محنت تمام تر امور غیبی ہی خود سانس اور اس کے علوم طبیعیہ کو لئے جسے جن کے اعتماد پر ایمان

بالتجربہ و الشہود کا اعلان کر رہی ہیں اس فن کا کوئی شبہ ایسا جس کی تحقیقات کا مدار قوت اربعہ قانون حرکت و مادہ شدت علت معلوم اور ایسے ہی دوسرے امر کے قراءات ثابت پر نہیں ہے، ہر کوئی عالم طبیعی ایسا ہے جو ان چیزوں پر ایمان نہیں رکھتا، مگر کسی سے یہ کہہ سکتے ہیں

کہ ان میں سے کسی کی حقیقت و حجابنا ہی پس کی کہنا کہ اس کے حواس پونچھ سکتے ہیں؟ کس کے نفس وجود کا تجربہ و مشاہدہ اسے کر لیا ہے؟ اور کس کے موجود ہونے کا یقینی ثبوت وہ پیش کر سکتا ہے؟ پھر یہ غیب ایمان نہیں تو کیا ہے؟

ان الفاظ کا ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اس زمانہ میں فن ہی بات مانی جاتی ہے جس کا تمام انسانوں نے تجربہ و مشاہدہ کیا ہے، اور نوجوان انسانی کے ہر فرد کے لئے شہود و حضور کا مرتبہ رکھتی ہے لیکن ایسی بات ہے جو کسی دعا قائل کی زبان و سہنیں شکل سکتی اسلئے کہ یہ بالکل

امریکہ تمام انسانی معلوم تمام افراد انسانی کو فرداً فرداً حاصل نہیں ہے بلکہ ان کا ایک خاصہ ایسا ہے جس میں مخصوص جماعتوں و مخصوص افراد کو اختصاص حاصل ہے، ان میں سے کسی کو شہود کا تجربہ ہونا یا جو شخصوں کیلئے حاضر و باقی تمام انسانوں کیلئے غائب ہونا اور جو کس شخص

جماعت یا بالغیب کے لئے شہود کا تجربہ ہونا یا جو شخصوں کیلئے حاضر و باقی تمام انسانوں کیلئے غائب ہونا اور جو کس شخص

تجربے یا مشاہدے میں آئی ہوا اور ایسی کسی بات کو کہیں مانتا جو خود اس کے لئے غیب کا حکم کہتی ہو لیکن یہ ایسی بات ہے کہ اس سے زیادہ کبھی کوئی بات انسانی دماغ سے نکل نہیں سکتی اس صنعت کا کوئی آدمی کبھی یا لکھتا ہے نہ آج پاماتا ہے اور نہ قیامت تک اس کے پاس جانے کی امید ہے اور اگر وہ فی الواقع کہیں موجود ہے تو اس کی نشان دہی کرنے میں ہرگز تامل کرنا چاہئے کیونکہ وہ تو اس کا تحقق ہو کہ عجائب عالم میں اس کا نمبر سب سے پہلا ہو۔

غرض آپ خواہ کسی پہلو سے اس فقرہ کو دیکھیں اس میں کوئی صداقت آپ کو نظر نہ آئے گی، خود تجربہ و مشاہدہ اس پر گواہ ہے کہ یہ زمانہ بھی اس طرح یونٹوں یا نمبروں کا جس طرح گذشتہ زمانہ تھا، اور ایمان یا غیب جس چیز کا نام ہے اس سے انسان کو کبھی چھٹکارا ملا ہے، نزل بھتا ہے، شخص اپنی زندگی کے ۹۹۹ فی ہزار بلکہ اس سے بھی زیادہ معلوم میں ایمان یا غیب لاتا ہے اور لانے پر مجبور ہے، اگر وہ یہ عہد کر لے کہ صرف اپنے تجربہ اور مشاہدہ پر ہی ایمان لائے گا تو اس کو معلومات کا وہ تمام ذخیرہ اپنے دماغ سے خارج کر دینا پڑے گا، جسے دوسروں پر اعتماد کر کے اس نے تمام علم و یقین میں سبکدوشی ہے اور اکتساب علم کے ان تمام ذرائع کا مقاطعہ کر دینا پڑے گا جو خود اس کے اپنے تجربہ و مشاہدہ سے ماسویٰ ہیں، اور یہ ایسی حالت ہوگی جس میں وہ زندہ ہی نہ رہ سکے گا، کیونکہ دنیا کا کوئی کام کوئی ایسا نہیں ہے جو اس کی کلی نفی اور ایمان یا تجربہ و مشاہدہ کا کلی اثبات نہ اس زمانہ میں ممکن ہے اور نہ اس سے بھی زیادہ روشن کسی اور زمانہ میں لامحالہ ہر زمانے اور ہر حالت میں انسان مجبور ہے کہ اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ کے بغیر بہت سی باتیں محض دوسروں کے اعتماد پر مان لے کچھ باتیں اس کو خبر متواتر کی بنا پر مانتی پڑتی ہیں جیسے کہ کھلیا کھانے سے آدمی بھرتا ہے اور نالیکیہ شخص نے نہ خود کھلیا کھا کر اس کا تجربہ کیا نہ کسی کو کھا کر مرتے ہوئے دیکھا کچھ باتوں کو ایک یا چند تیر آدمیوں کی روایت سے مان لینا پڑتا ہے جیسے عدالتوں کا شہادت پر اعتماد، کہ اگر وہ ایسا نہ کریں تو قانون کی گنت ایک لمحہ کے لئے بھی حرکت نہ کر سکے کچھ باتیں صرف اس بنا پر تسلیم کر لینی پڑتی ہیں کہ ایک ماہر فن کہہ رہا ہے یہ حالت ہرگز نہ وہ ہر کالج میں ہر طالب علم پر گذرتی ہے اگر وہ اپنے فن کے اکابر علماء و ماہرین کی تحقیقات اور ان کے اکتشافات و نظریات پر ایمان یا غیب نہ لائے تو علم کے میدان میں ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتا، اور نہ کبھی ترقی کر کے اس

کتاب پہنچ سکتا ہے۔ جہاں وہ خود ان علماء و ماہرین کی طرف حقائق علمیہ کی تحقیق کرنے کے قابل ہو۔

اس سے ثابت ہوا کہ ہم ان تمام معاملات میں دوسروں پر ایمان باغیب لائق ہیں اور لانے پر مجبور ہیں۔ ہم نے اپنے ذاتی تجربہ و مشاہدہ سے اکتسابِ علم نہیں کیا ہے، اور دوسرے لوگوں نے کیا ہے اب صرف یہ سوال باقی رہ جاتا ہے اور اسی پر فیصلہ کا انحصار ہے کہ کس معاملہ میں کس پر ایمان باغیب لانا چاہئے؟ اصولاً یہ بات ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ ایسے ہر معاملہ میں صرف اس شخص یا جماعت پر ایمان لانا چاہئے جس کے متعلق ہجوٰیہ الطینان ہو کہ اسے اس معاملہ کا بہتر علم حاصل ہو اور اس کے پاس اس کو جاننے کے بہتر ذرائع موجود ہیں۔ اسی قاعدہ کلیہ کے تحت ایک مریض ڈاکٹر کو چھوڑ کر کبیل سے مشورہ نہیں کرتا۔ اور ایک بل مقدمہ کبیل کو چھوڑ کر انجینئر کے پاس نہیں جاتا لیکن الہیات و روحانیات کے مسائل میں یہ اختلاف واقع ہوتا ہے کہ آیا ان میں علماء فلسفہ و ماہرین علوم عقلیہ کی رائے تسلیم کی جائے یا عالم انسانی کے مذہبی و روحانی پیشواؤں کی؟ خدا اور ملائکہ کوھی والہام روح اور حیات بعد الموت، عذابِ ثوابِ آخرت اور ایسے ہی دوسرے امور غیب میں کائنات اور سپر نیشنل تائن اور بریگس جیسے لوگوں کی بات مانی جائے، یا ابراہیم و محمد صلی اللہ علیہ وسلم علیہم السلام جیسے بزرگوں کی؟ بحزیت فکر و ضمیر کے یہ عمل کا رجحان پہلے گروہ کی جانب اور وہ الہی کی مہیا کی ہوگی کوئی پروردگار گروہ کی باتوں کو کس کر دیکھتے ہیں۔ جو باتیں اس کوئی پرکھتی نکلتی ہیں انہیں مان لیتے ہیں، اس لئے ہمیں کہنا چاہئے کہ انہیں ماننے کی بجائے اس پر کھنی ہیں، اس پر کھنی نہیں، ان کو شرف قبول عطا کیا ہے اور بدستی سے ایسی باتیں بہت ہی کم بلکہ بالکل نہیں ہیں، اور جو باتیں اس پر کھنی نکلتی ہیں، ان کو غیر متعصب قرار دے کر دیکھتے ہیں، جس کے قدم پر ستون اور اسلاف پر ستون کا ملک یہ ہے کہ طبیعیات و عقلیات کی باتیں الہیات و روحانیات والوں سے پوچھو اور نہ اس کے عکس الہیات و روحانیات کی باتیں عقلیات و طبیعیات دلوں سے دونوں کے دائرے الگ الگ ہیں اور علم میں؟ سرے علم کے ماہر کی رائے پر اعتماد کرنا پہلی اور بنیاد ہی عقلی ہے، حکم و فلسفہ اپنے عقلی علوم میں خواہ کتنی ہی اعلیٰ بصیرت رکھتے ہوں، لیکن علوم الہیہ میں ان کا مرتبہ ایک عامی سے زیادہ نہیں ہے اور وہ ان کے متعلق مملکت کے اتنے ہی ذرائع رکھتے ہیں جتنے ہر مولیٰ انسان رکھتا ہے۔ یہ علوم مخصوص ہیں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، وہی ان کے

ہمیں اور انہی کے پاس ان کے جاننے کے اصلی ذرائع ہیں اس لئے ان کے مسائل میں انہی پر ایمان بانصبیب چاہئے آپ کے لئے بحث و کلام کی گنجائش اگر ہے تو وہ صرف اس امر میں ہو کہ آیا وہ فی الواقع سچے اور علوم الہیہ میں صاحب بصیرت نامہ میں یا نہیں مگر جب یہ بات ثابت ہو جائے، یا ثابت کر دی جائے کہ فی الحقیقت ایسے ہیں تو پھر جو باتیں اپنی بصیرت اور اپنے علم کی بنا پر انہوں نے بیان کی ہیں وہ سب آپ کو ماننی پڑیں گی۔ ان سے انکار کرنا اور ان کے خلاف دلیل و حجت لانا بالکل ایسا ہی ہوگا جیسے ایک نندھاسورج کے وجود سے انکار کر دے اور آنکھوں والے کو بھٹیلانے کے لئے وجود شمس کے امتناع پر دلیل پیش کرے! ایسا شخص اپنے رزم میں خواہتا ہی بڑا فلسفی ہو اگر جو اپنی آنکھوں سے سورج کو دیکھ رہا ہے وہ اس نامینا کے متعلق جو کچھ رائے قائم کرے گا اس کے بیان کی حاجت نہیں ہے۔

ریب و تذبذب کا اصلی علان آپ کہیں گے کہ انبیاء علیہم السلام نے اموریب کے متعلق جو کچھ کہا ہے اس کی تائید علوم جدیدہ و اکتشافات حاضرہ سے نہیں ہوتی، اور اس لئے لوگ ”ریب و تذبذب“ میں دوزناچار مسلمان شوکی حسرت میں گرفتار ہو گئے ہیں مگر میں کہوں گا کہ ان علوم و اکتشافات میں وہ کوئی تعینات ہیں جو اصول اسلام سے متحرک ہیں، اگر ہیں تو وہ پیش فرمائیے تاکہ ہم بھی غور کریں کہ آیا قرآن کو مانیں یا علوم جدیدہ و اکتشافات حاضرہ کو۔ اور اگر نہیں ہیں اور ہرگز نہیں ہیں! جیسا کہ خدا کے الفاظ ”ریب و تذبذب“ اور ”ناچار مسلمان شو“ سے ظاہر ہوتا ہے تو پھر کیا علوم جدیدہ و اکتشافات حاضرہ کے اسلوحانے میں صرف ظنیات و قیاسات ہی کے وہ ہتھیار ہیں جن کے بل پر وہ مذہب کے خلاف اعلان جنگ دے رہے ہیں اور جن کی سزا نہیں محض چمک دکھ کر تاج کل کے ارباب تحریرت فکر و ضمیر یہ امید لگائے بیٹھے ہیں کہ مذہب ان کا نام سننے ہی سہم جائے گا۔ اور میدان چھوڑنے پر مجبور ہو جائیں گا؟ آپ ان علوم و اکتشافات کو خواہتے ہی اہمیت مگر یاد رکھیے کہ اموریب میں وہ ہرگز مفیدین نہیں ہیں زیادہ سے زیادہ انجالیہ اثر ہو سکتا ہے کہ آپ ”ریب و تذبذب“ میں پڑ جائیں اور کہیں کہ ہم وحی و الہام، بعثت بعد الموت یا عذاب و ثواب آخرت یا فرشتوں کے وجود یا

خود خدا کے وجود کے متعلق نفیاً یا اثباتاً کوئی حکم نہیں لگا سکتے لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ آپؐ کو ناجائز مسلمان شو کی لعنت سے نکلنے اور کافر تو انی شد کی بُرکت سے مالا مال ہونے میں یہ علوم کچھ بھی مدد دے سکیں کیونکہ امور مذکورہ بالا تیسے امتحان کر دینے کے لئے یہ علوم کوئی حجت فراہم نہیں کرتے، اور کسی چیز کے عدم کا حکم لگانے کے لئے صرف اتنی حجت کافی نہیں جو کہ اس کے وجود کا کوئی ثبوت نہیں ہے پس ”رب و مذہب“ کا مقام وہ آخری مقام جہاں آپ کے علوم جدیدہ ”واکتشافات حاضرہ“ آپ کو ملے جا کر ٹھیل دیتے ہیں مگر عقلی و ذہنی حیثیت سے یہ ایک بدترین مقام ہے اور جو علوم انسان کو یقین بخش سکیں جو اسے ایک ایسے مقام پر متعلق چھوڑ دیں جہاں اس کو کوئی جائے قرار نہ ملتی ہو، جو اسے کافر تو انی شد ناجائز مسلمان شو کی دلدل میں لجا کر پھینسا دیں وہ یقیناً جہل سے بدتر اس شکل سے اگر کوئی چیز انسان کو بچا سکتی ہے تو وہ صرف ایمان بالغیب ہے۔ ایک دفعہ جب آپ نے ایک شخص کو نبی مان لیا اور یہ سمجھ لیا کہ وہ علوم الہیہ میں کامل بصیرت رکھتا ہے! اور یہ تسلیم کر لیا کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا، تو پھر آپ کے لئے امر غیب میں کسی مذہب و رب کی گنجائش نہیں رہتی، اور آپ کا عقیدہ یقین و اذعان کی ایک ایسی مضبوط بنیاد پر قائم ہو جاتا ہے جسے کسی علم جدید ”اکتشاف حاضرہ“ اور خیال کی کسی نئی طرح ”اور حریت فکر و ضمیر“ کی کسی گرم بازاری سے کوئی صدمہ نہیں پہنچ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں صاف تصریح کر دی گئی ہے کہ یہ کتاب ہدایت پر متعین کے لئے اور متعین کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ ایمان بالغیب لاتے ہیں۔ **هُدًى لِّلَّذِينَ آمَنُوا بِالْغَيْبِ** (۱:۲) اسی ایمان بالغیب پر مذہب کی پوری عمارت قائم ہے۔ اگر آپ نے اس اصل الاصل کو منہدم کر دیا تو پھر مذہب کے ان بنیادی عقائد کے متعلق جن کی حقیقت معلوم کرنے کا خود آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہے، آپ کسی ایسی رائے پر نہیں پہنچ سکتے جس کی صحت کا خود آپ کو یقین ہو اور جس کی صداقت کا آپ دوسروں کو یقین دلا سکیں۔

نبوت کا مسئلہ اب آخری سوال یہ رہ جاتا ہے کہ ایک شخص کے متعلق یہ دریافت کرنے کا کونسا ذریعہ ہے کہ وہ نبی ہے، اس کو علوم الہیہ میں کامل بصیرت حاصل ہے، اور وہ اس مرتبہ کا صاف

انسان ہے کہ اگر وہ امور غیب کے متعلق ہم کو ایسی باتیں سنائے جو ہماری عقل سماوار اور ہمارے دائرہ علم سے باہر ہوں تب بھی ہم اس کی بات پر ایمان لے آئیں اور یقین کے ساتھ کہہ سکیں کہ وہ ہرگز چھوٹا نہیں ہے؟ اس سوال کا تصنیف مختصر جو دو چیزوں پر ایک یہ کہ ہم اس شخص کی ذاتی سیرت کو اس سخت سے سخت معیار پر جانچ کر دیکھیں جس پر کسی انسان کی سیرت جانچی جا سکتی ہے دوسرے یہ کہ ہم اس کی پیش کی ہوئی ان باتوں پر نگاہ ڈالیں جو ہمارے دائرہ علم سے باہر نہیں ہیں اور جن میں قطعیت کے ساتھ ایک حکم عقلی لگانا ہمارے لئے ممکن ہے، جب ان دونوں استحقاقوں سے یہ ثابت ہو جائے کہ وہ اپنے صادق القول ہونے میں بے مثل ہے اور اس کے ساتھ زندگی کے تمام علمی اور فکری شعبوں میں خیر و صلاح و حکمت کی ایسی کامل تعلیم دیتا ہے جس میں انسانی عقل کہیں سے کوئی عیب نہیں نکال سکتی تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس کو سچا نہ مانیں اور یہ بدگمانی کریں کہ اس نے کسی علم و واقفیت کے بغیر محض دنیا کو دمو کہ دینے کے لئے خدا اور فرشتوں اور عرش و کرسی اور وحی و الہام اور بعث و املوت اور دوزخ و جنت کا اتنا بڑا فریب گھر کر رکھ دیا ہے۔

پس حضرت نیاز کی تیسری غلطی یہ ہے کہ وہ قرآن کے پہلے حصہ کو (جسے ہم نے اپنی تقسیم میں دو حصہ قرار دیا ہے) قابل بحث نہیں سمجھتے اور مزید برآں یہ خیال کرتے ہیں کہ اس معاملہ میں تمام مذاہب تقریباً یکساں ہیں۔ اور مذاہب اسلام کی تعلیم دوسرے مذاہب کی تعلیم سے مختلف یا فروتر نہیں ہو۔ جو یہ عکس ماں کے ہم کہتے ہیں کہ ان کی تقسیم کے مطابق قرآن کے دوسرے اور تیسرے حصے (یا ہمارے تقسیم کے مطابق پہلے حصے) کی صداقت کا فیصلہ مختصر یہی اس پر ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور قرآن مجید کے ان تمام اصول کی ناقدانہ چھان بین کریں جن کا تعلق امور غیب سے نہیں ہے اور صرف اس پر اکتفا نہ کریں کہ اسلام کی تعلیم کا یہ حصہ دوسرے مذاہب سے مختلف یا فروتر نہیں ہے۔ بلکہ بدلائل یہ ثابت کریں کہ وہ تمام ان مذاہب سے جو غیر اسلام ہیں اعلیٰ و اجل ہے جب تک بحث کا یہ مرحلہ طے نہ ہو جائے۔ دوسرے حصے (یعنی امور غیب کی بحث) میں قدم رکھنا اصولاً غلط ہے، اور اس کے تصنیف کے بغیر ان کا تصنیف ممکن نہیں ہے۔

اصول بحث | حضرت نیاز چاہتے ہیں کہ ہم معاد اور کلام الہی اور ان آیات سے بحث کریں حج عقاید و قصص سے تعلق رکھتی ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس بحث کے دو پہلو ہیں، اور وہ دو مختلف گروہوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک گروہ وہ ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر ایمان ہی نہیں رکھتا اور اس بنا پر ان امور میں شک کرتا ہے اور دوسرا گروہ وہ ہے جو آپ کی رسالت کو تسلیم کرتا ہے، مگر امور غیب میں اس کو شکوک و شبہات ہیں۔ ان دونوں گروہوں سے بحث کرنے کے طریقے مختلف ہیں، اور جب ہمیں معلوم نہ ہو کہ معترض کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے اس وقت تک ہم اس سے بحث نہیں کر سکتے

پہلے گروہ سے معاد اور کلام الہی اور دوسرے امور غیب پر بحث کرنا بالکل بے نتیجہ ہے، کیونکہ اہل میں اختلاف رہتے ہوئے فروع پر بحث کر کے نتیجہ پر پہنچنا ممکن نہیں ہے ہم معاد اور کلام الہی حتیٰ کہ خود وجود و صفات الہی کے متعلق بھی جن باتوں پر ایمان رکھتے ہیں ان پر ہمارا ایمان یقین اس بنا پر نہیں کہے ہماری عقلی تحقیق یا ہمارے ذاتی تجربہ و مشاہدہ نے ان کے متعلق ہم کو کوئی ایسا قطعی اور یقینی علم بخشا ہے، جس کے خلاف پر کوئی دلیل عقلی قائم نہ کی جاسکتی ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو بلاشبہ نبوت کی بحث سے بے نیاز ہو کر ان مسائل سے بحث کی جاسکتی تھی، لیکن ان امور پر ہمارے قطعی ایمان و اذعان کی بنیاد تو اس اعتقاد پر ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صادق و قولہ حق ہے اور اپنی رسالت اور قرآن کے کلام الہی ہونے کے متعلق جو کچھ انہوں نے کہا ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ اسی اہل سے یہ بات متفرع ہوتی ہے کہ محمد صلعم اور ان کے پیش کردہ قرآن نے امور غیب کے متعلق جو کچھ خبریں دی ہیں وہ سب صحیح ہیں پس جب تک محمد صلعم کی صداقت کے منکر سے ہم اس مبنیٰ کی ملکہ کو تسلیم نہ کر لیں گے، اس وقت تک کسی فرعی مسئلہ سے بحث ہی نہ کریں گے۔

رہا دوسرا گروہ تو اس کے اس حق کو تسلیم نہیں کرتے کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت تسلیم کرنے کے بعد امور غیب پر اس حجت سے کلام کرے کہ آیا قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ خبریں دی ہیں وہ صحیح ہیں یا غلط ہے۔

اس لئے کہ یہ پہلو اختیار کرتے ہی وہ پہلے گروہ میں شامل ہو جائیگا۔ اگر وہ حقیقت میں دوسرے گروہ کا آدمی ہے تو اسے ماننا پڑے گا کہ قرآن کا لفظ صحیح ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ پیش کیا ہے غلطی سے مبرا ہے! البتہ وہ اس پر دو پہلوؤں سے کلام کرتا ہے ایک یہ کہ آیا فی الواقع قرآن میں ایسا ہے یا نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے یا نہیں؟ دوسرے یہ کہ قرآن اور سنت میں جو کچھ فی الواقع ہے اس کا

صحیح مفہون کیا ہے؟

آخری گزارش

آخر میں ایک بات مجھے اور عرض کرنی ہے۔ حضرت نیاز نے رائے دی جو کہ ترجمان قرآن میں ایک باب المناظرہ کھولا جائے اور ارادہ نظام فرمایا ہے کہ وہ اپنے شبہات و اعتراضات بھی پیش کریں گے جیسا تک اصطلاحی مناظرہ کا تعلق ہے میں نے ہمیشہ اس سے دامن بچایا ہے اور اب بھی بچانا چاہتا ہوں کیونکہ ایسی بحث کا میں ہرگز قائل نہیں ہوں جس کا مقصد محض دماغی ورزش یا عقلی کشتی ہو۔ یہ علمی مناظرہ جس کا مقصد احقاقِ حقیقت ہو، اور جس میں فریقین اس دلی خواہش کے ساتھ شریک ہوں کہ جو کچھ ان کے نزدیک حق ہے اس کا اظہار کریں گے، اور جو کچھ حق ثابت ہو جائیگا اس کو تسلیم کر لیں گے تو اس کے لئے میں ہر وقت آمادہ ہوں۔ نگار میں جن شبہات و اعتراضات کو پیش کیا جائیگا وہ مجسہ ترجمان القرآن میں نقل کئے جائیں گے اور پھر جواب دیا جائیگا۔ اسی طرح امید ہے کہ ترجمان القرآن کے جواب پر اگر حضرت نیاز کوئی تنقید فرمائیں گے تو اصل جواب بھی اس کے ساتھ نقل فرمائیں گے، تاکہ دونوں رسالوں کے ناظرین بحث کے دونوں پہلوؤں سے واقف ہوں، اور خود بھی کوئی رائے قائم کر سکیں صرف ایک پہلو پیش کرنا اور دوسرے پہلو کو پیش کرنے سے احتراز کرنا میرے نزدیک خود اپنی کمزوری کا اعتراف ہے۔